مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن

(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

U32358

title - Waadi-E-Kashmir (Kashmir Ka Qaumi Tarana)

Creator - Kausar Quraishi

Publisher - Mehboob Al Mataba Press (Meerut)

Date - 1952

Pages - 16

Subjects - Urdu Shayari - Kashmir - Tazkira - Manzoom ; Kashmir - Manzoom - Tazkira.

کشمیر کا قومی ترانہ

وادیٔ کشمیر

کوثر قریشی



آنریبل جناب خالد کشمیر بخشی غلام محمد صاحب
وزیر اعظم جموں و کشمیر

AUG 1969

وادیٔ کشمیر

برسوں کی طویل کشاکش کے بعد ۱۹۳۱ء میں آزادی کی تمنا نے کشمیریوں کے دلوں میں کروٹ لی، معمولی سی کروٹ نہیں بلکہ نہایت ہی ہنگامہ خیز کروٹ ان کے دل سے بے پناہ جذبوں کے شعلے بن کر اٹھی جنہوں نے دماغ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس کشمیر نے ساڑھے تین سو سال پہلے (۱۵۸۶ء میں) مغلوں کو مفت میں اپنی آزادی سونپ دی تھی، جس نے سر جھکا کر اکہتر سال تک افغان سے اپنے آپ کو "پدر سوختہ بے پیر" کہلوایا تھا۔ جس نے لاہور کے سکھ سے "ہتو" کا خطاب پا کر بھی ستائیس سال تک زبان سے اُف تک نہ کی تھی۔ اور جو "ڈھیکا" کہلاتے ہوئے پوری ایک صدی تک ڈوگرہ راجہ کے لئے "جے دیو مہاراج" کہنا اپنا فرض سمجھتا۔ وہی کشمیری اب تمام پرانی رسموں کو خیرباد کہہ کر آزادی کے اس راستہ پر گامزن ہونے کے لئے آمادہ ہو گیا جو ہر ایک خوددار انسان کا اولین اور شریفانہ فرض ہے، مگر غاصب طاقتیں اس فرض کی ادائیگی کو بغاوت کے نام سے منسوب کرتی ہیں، اگر زندگی کا موت پر فتح حاصل کرنا بغاوت ہے تو "بغاوت" ایک محبوب اور قابلِ احترام حقیقت ہی کا نام ہو سکتا ہے، بہرصورت کشمیریوں نے بھی ۱۹۳۱ء میں اس محبوب حقیقت یعنی "بغاوت" کو اپنایا ہے۔

توڑ ڈالیں فطرتِ انساں نے زنجیریں تمام
دوریِ جنت سے روتی چشمِ آدم کب تلک

بغاوت کی آنچ نے ذہنوں پر عجیب اثر ڈالا۔ کشمیر کے تمام انسانوں کے دماغ آتش فشاں بن گئے، جوش آزادی کا ایک لاوہ بن کر ابل پڑا۔ جس کو دبا لینا ناممکن ہو گیا۔ لیکن لمبی غلامی نے قومی جسم کے تمام اعضاء کو شل کر رکھا تھا۔ ساڑھے تین سو سال سے قوم کے ہاتھ پاؤں مدافعت کے فرض کی انجام دہی سے غافل ہو چکے تھے، آنکھیں حقیقت بینی کے قابل نہ رہی تھیں دماغوں سے خود شناسی، خودداری اور خود اعتمادی فراموش ہو چکی تھی اور زبانیں نعرۂ حق بلند کرنے کے سلیقہ سے ناآشنا تھیں لیکن اب دل و دماغ کے نئے ولولے جو جوش آزادی سے لبریز ہو چکے تھے باہر نکل کر سب وادی کو اپنی آغوش میں لے لینے کا تقاضا کر رہے تھے۔ مگر زبانیں نہ جانتی تھیں کہ ادائے مطلب کا ڈھنگ کیا ہو۔ دل میں سب کچھ موجود ہو لیکن اگر زبان دل کی ترجمانی نہ کر سکے تو کامیابی ناممکن ہے، مختصر یہ کہ اب کشمیر والوں کی سب سے بڑی اور اہم ضرورت یہی تھی کہ انہیں جہاں محسوس کرنے والے دل اور نئے ڈھنگ سے سوچنے والے دماغ ہاتھ آئیں، وہاں بولنے والی زبانیں بھی مل جائیں، یہ بہت ہی اہم اور مشکل ترین مرحلہ تھا۔ یہ وہ راستہ تھا جس کو طے کئے بغیر "نئے" اور "پرانے" کشمیر کے درمیان حد فاصل قائم کرنا ممکن نہ تھا۔ اور نہ ہی منزل مقصود تک پہنچنے کا امکان ہو سکتا تھا۔

"قدرت جب زمین کو نئی زندگی بخشنے کے لئے خزان کو بہار میں

تبدیل کرتی ہے تو اس کی مرجھائی ہوئی کلیوں کو بھی پھول بنانے کے لئے نسیم سحر مہیا ہو جاتی ہے، سوکھے ہوئے کنوؤں میں پھر سے پانی ابھر آتا ہے کھاری اور نمکین پانی چاہ زمزم کا کام دینے لگتے ہیں۔ اسی طرح قدرت نے بھی اب کشمیریوں کو اپنی منزل مقصود سے دور رکھنا قانون فطرت کے خلاف سمجھا، کیونکہ اس کا عام قانون یہی ہے کہ بچے کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لئے اس کی ماں کے سینے میں شیر (دودھ) کا چشمہ مہیا کر کے ایک مقدس امانت کی صورت میں محفوظ کر دے۔

جب قدرت نے انقلاب کی قوتیں وادی کشمیر میں ہر سمت پھیلا دیں تو کشمیر کی تحریک آزادی کے جہاز کو طوفان کے تھپیڑوں سے بچانے والے چند ناخداؤں کو بھی فراہم کر دیا، اور قدرت کے پوشیدہ ہاتھوں نے ان چند موزوں ترین نوجوانوں کو اہل کشمیر کے سامنے لا کھڑا کیا، جو بھنور میں پھنسی ہوئی اس کشتی کے ناخدا بنے۔

گو اس تحریک سے چند سال پہلے ۱۹۲۴ء میں ایک چھوٹی سی چنگاری بھی اٹھی اور چند سربرآوردہ کشمیری رہنماؤں نے ڈوگرہ حکومت کی بدعنوانیوں کے خلاف ایک میمورنڈم تیار کر کے وائسرائے ہند کے پاس بھیجا۔ لیکن حکومت کشمیر کو اس کا علم ہو جانے پر اس نے ان رہنماؤں سے بہت سختی برتی اور ان لوگوں

کو سخت سزائیں دیں۔

صحیح دماغ رہنماؤں کی عدم موجودگی میں کشمیر کے عوام اپنی تازہ پیدا شدہ آرزوؤں کو پورا کرنے کی سبیل نہیں رکھتے تھے ان کو صدیوں کی طویل مظلومانہ غلامی نے صرف مایوسی کا سبق دے رکھا تھا اس لئے قریب مستقبل میں کسی امید کی روشنی دیکھ لینا ان کی تاریک زدہ آنکھوں کی دسترس سے باہر تھا، اس لئے یہ چھوٹی سی چنگاری بھی بھسم ہوکر دب گئی، لیکن ۱۹۳۱ء میں جب انھیں نا امیدی کی تاریک غار سے نجات دلا کر تمناؤں اور آرزوؤں کے گلستان کو پھر سے آباد کرنیکے لئے اچانک چند مالی مل گئے تو انھوں نے اس موقع کا فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، یہ وہی لوگ تھے جو آگے چل کر قوم کے محبوب رہنما بنے۔

نئے کشمیر کے معماروں میں یہ حضرات تاریخ کے صفحات کا زینت عنوان بن گئے، سچ یہ ہے کہ ان ایثار پیشہ زعماء کی بے مثال قربانیوں نے ہی تحریک آزادی کو پروان چڑھایا، اور اسے اس مقام پر پہنچا دیا جو آج وقت کا ایک اہم ترین بین الاقوامی مسئلہ ہے۔

ان رہنماؤں کی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ تحریک آزادیٔ کشمیر کا علیحدہ علیحدہ عنوان ہے، ان سب پر اگر نظر ڈالی جائے یا تاریخ حریت کشمیر کو دیکھا جائے تو یہ سب ایک دوسرے کا

جزو لاینفک ہیں ۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ ان رہنماؤں کی زندگی کے حالات
ہی تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ ہے ۔

ان حضرات کی زندگیاں ایک دوسرے سے کچھ اس طرح وابستہ
ہیں جس طرح مالا میں موتی ، جنہیں تاریخ حریت کشمیر سے جدا کرنا ناممکنات
میں سے ہے ۔ خواہ ان میں سے بعض کے درمیان ایک گونا اختلاف
بھی پیدا ہوا جو شدید حد تک پہنچ چکا ہے ، لیکن یہ اختلاف ذاتی
نہیں بلکہ یہ لوگ بعض اصولی مقاصد اور نظریات کے ماتحت
آپس میں مختلف الرائے ہوئے ۔ آپ مغربی پاکستان کی طرف نظر
اٹھا کر دیکھیں جہاں ڈاکٹر خان صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی
خان بادشاہ کے درمیان اختلاف کی ایک ایسی ہی مثال آپ کو
ملتی ہے جس سے کشمیر بھی دوچار ہو چکا ہے ۔

"حالانکہ یہ دونوں بھائی قوم کے سچے وفادار ہیں ، جن میں سے
کسی ایک کو غدار وطن نہیں کہا جا سکتا ۔ وہ محض نظریات میں
اختلاف ہونے کے سبب ایک دوسرے کے مد مقابل بن رہے
ہیں ، حتیٰ کہ بڑا بھائی مجبور ہو کر اپنے حقیقی چھوٹے بھائی کو
جیل میں نظر بند کرنے پر مجبور ہوا ۔ کیونکہ مفاد وطن کا اعتبار
افضل ہے ، ملکی مفاد کے لئے عزیز و اقارب قربان کئے جا سکتے
ہیں لیکن خویش و اقارب کی خاطر ملکی مفاد کو نقصان پہنچانے
والے غدار وطن کہلاتے ہیں ۔

دنیا کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جب کبھی جماعتوں کو اقتدار حاصل ہوا تو اس میں مختلف نظریات اور اصولوں کے ماتحت اختلاف بھی پیدا ہوئے اور یہ اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہوتے ہیں جو ملک کو شاہراہ ترقی پر لیجانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس لئے کشمیر کی نئی اور پورانی وزارتوں کا اختلاف اسی نظریہ سے دیکھے جانے کا مستحق ہے۔ اور اس کو اس سے زیادہ اہمیت دینا غیر مناسب ہی نہیں بلکہ ملک کے لئے مضر ثابت ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات کارکنوں میں اقتدار کی جنگ بھی شروع ہو جاتی ہے جو افراد کی جنگ کہلاتی ہے اور اسکی مثال آپکو پاکستان کی مسلم لیگ پارٹی کے اندر ملے گی۔ ایسے اختلاف کے سبب سے اچھی جماعتیں نیست ونابود ہو جاتی ہیں، ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی ہے۔ اور ملک جمہوری حکومتوں کو خیرباد کہہ کر کسی واحد شخص کی ڈکٹیٹر شپ میں چلا جاتا ہے، خود غرض لوگ عوامی جماعتوں کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں، اس کے خلاف سازشیں کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن ایسے لوگوں کو بہت کم کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اور عام طور پر جمہوری نظام لوگوں کی پسندیدہ اور ملک کے اندر اکثریت رکھنے والی جماعتوں کے ہاتھ میں ہی رہتا ہے اور حقیقتاً اپنے ملک کی

حکومت چلانے کا حق بھی اسی پارٹی کو پہنچتا ہے۔ اندریں حالات کشمیر کی نیشنل کانفرنس پارٹی ایک عوامی پارٹی ہے جس کو ملک کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہے۔

یہ وہی پرانی جماعت ہے جس نے ملک کو کئی سو سالوں کی غلامی سے نجات دلائی اور جماعت کی پرانی لیڈرشپ میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ ملک اور قوم کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی اور آج ملک ترقی کی معراج پر پہنچ رہا ہے۔

مجھے اس مضمون کے ذریعے پارٹی کے نئے لیڈر اور ملک کے دیرینہ خادم کی زندگی کے مختصر حالات قلمبند کر کے ان کا تعارف کرانا مقصود ہے۔

خالد کشمیر بخشی غلام محمد

آپ کی پیدائش ۱۹۰۷ء میں ہوئی۔ آپ اپنی طالبعلمی کے زمانہ میں اپنی شوخیٔ طبیعت کے باعث ممتاز طلباء میں تصور ہوتے تھے۔ آپ کو بچپن ہی سے سیر و تفریح کا بہت شوق تھا اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو عبور کرنا آپ کا ایک ادنیٰ مشغلہ تھا۔ سکول چھوڑنے کے بعد آپ نے پہلے اپنے آبائی پیشہ (جنگلات کی) ٹھیکیداری کا کام شروع کیا۔ لیکن ابتداء میں جب کسی سکول میں

بطور ٹیچر کے ملازمت حاصل ہو گئی تو آپ نے اس پیشے کو خیر باد کہہ دیا۔

آپ کو چونکہ سیاست سے بہت دلچسپی تھی اسلئے آپ اس ملازمت سے بھی بہت جلد بیزار ہو گئے، اور سری نگر کے کھدر بھنڈار میں ملازمت اختیار کر لی جو اس وقت ہندوستان کی قومی تحریک "سودیشی" کا ایک مرکز تھا۔

اس وقت ریاستوں کے اندر کھدر پہننا کانگرس اور گاندھی جی کے خیالات کی تائید اور ان کا پرچار کرنا، سیاسی معاملات میں دلچسپی لینا یا بدیشی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تبلیغ کرنا ایک جرم عظیم تصور ہوتا تھا۔ لیکن یہ نوجوان اس وقت بھی کھدر میں ملبوس، بے دھڑک اور اعلانیہ کانگرس اور گاندھی جی کے اصولوں کا پرچار کرتے ہوئے نظر آتا تھا۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں جب تحریک "آزادی کشمیر" کا آغاز ہوا تو یہی نوجوان علمبردار آزادی بن کر اپنے دوسرے ساتھیوں کے دوش بدوش میدان میں آن کھڑا ہوا۔ جگہ جگہ پر عوام کو آزادی کی تحریک میں زیادہ

سے زیادہ حصہ لینے کی تلقین کرتے ہوئے مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ جس کی پاداشن میں کئی بار جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ جس کے عوض قوم نے آپ کو "خالدِ کشمیر" کے خطاب سے نوازا۔ مجلس احرار ہند نے جب ریاستوں میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا مطالبہ پیش کیا، جس کو شیخ محمد عبداللہ نے "پگلے کی ایک بڑ" سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا تو اس وقت بھی احرار کے اس مطالبے کا حامی یہی نوجوان اور خواجہ غلام محمد صادق تھے۔

ملک کی تقسیم اور ریاستوں کو آزادی ملجانے کے بعد جموں میں جب فرقہ وارانہ فسادات کے سر بفلک شعلے اٹھے تو آپ کو ہی وہاں کے لئے ایڈمنسٹریٹو مقرر کر کے بھیجا گیا۔ جہاں آپ نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر ملک میں امن قائم کر دکھایا۔ جس کے سبب آپ کشمیر کی ایک آہنی شخصیت تصور ہونے لگے، اور جب ریاست میں عوامی راج قائم ہوا تو آپ کو اپنی انتھک عادت اور تنظیمی قابلیت کی بدولت نائب وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستانی قبائیلیوں نے جب کشمیر پر اچانک
حملہ کر دیا تو وطن کی حفاظت کے لیئے اہل کشمیر نے ایک ڈیفنس بریگیڈ
بنایا۔ تو آپ کو اس کا کمانڈر انچیف منتخب کیا گیا اور آپ کشمیر
کے ہر محاذ پر اپنے دوسرے مظلوم ساتھیوں سے ملک و قوم کی
حفاظت میں پیش پیش نظر آتے تھے، ڈیفنس بریگیڈ نے آپ کی
کمانڈ میں دشمن کے وہ چھکے چھڑائے، جو تاریخ کشمیر میں
سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

کشمیر کے سابق وزیر اعظم جب غیر ملکی ریشہ دوانیوں کا
شکار ہو کر کشمیر میں "آزاد جمہوریت" کے خواب دیکھنے لگے
اور ہندوستان سے کئے ہوئے اپنے معاہدات سے
منحرف ہونے پر آمادہ ہو گئے تو کشمیر پر ایک بار پھر
مصائب کے بادل چھا گئے، کشمیر کا ہر باشندہ تذبذب
کی جیتی جاگتی تصویر بن گیا، ان کو یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ پیدا شدہ
حالات سے کس طرح نجات حاصل کریں، ہر جگہ غلہ کی نایابی
اور مہنگائی کے سبب ان کی قوت خرید شل ہو چکی تھی۔ بیکاری
چاروں طرف اپنے بھیانک روپ میں دکھائی دے رہی تھی۔
بلیک مارکیٹر اور خود غرض لوگ غریبوں کا خون چوسنے میں
پیش پیش تھے۔ زمیندار جو ملک کی ریڑھ کی ہڈی تصور ہوتے
ہیں، قانون مجوزہ کا شکار ہو کر ایک ایک دانے کو محتاج

ہو چکے تھے۔ ہر طرف بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ دیہاتی الگ پریشان تھے تو شہری اپنی قومی حکومت کو وبال جان سمجھنے لگے تھے، جس کے سبب ملک میں انارکی پھیل جانے کے آثار پیدا ہو چکے تھے، نیشنل کانفرنس کے اپنے حلقے میں بھی پھوٹ پڑ چکی تھی، اور قوم کی نیا منجدھار میں ڈوبتی ہوئی نظر آرہی تھی تو ان حالات کے اندر قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو منجدھار سے نکالنے کے لئے یہی پیر مرد قومی کشتی کا ناخدا بن کر میدان میں کود پڑا اور خم ٹھونک کر ملک کو ناعاقبت اندیش لیڈر شپ سے بچانے کے لئے کمربستہ ہوگیا، اور مخالف قوتوں کا بہادرانہ مقابلہ کرکے اس پُر الم فضا سے قومی کشتی کو بچا کر کنارے پر لے گیا۔

۹ر اگست ۱۹۵۳ء کو آپ نے جب وزارت عظمیٰ کا قلمدان سنبھالا تو تعلیم پرائمری سے کالج کی تعلیم تک مفت کر دی اور سیاہ کاروں کا خون چوسنے والا "مجوزہ قانون" منسوخ کر دیا۔ اور قحط سالی اور بے روزگاری کو بہت جلد ختم کرنے کا قوم سے وعدہ کیا، اور حکام کو برملا ہدایت کر دی کہ وہ اپنے آپ کو عوام کا افسر تصور کرنے کی بجائے ان کا خادم خیال کریں۔

آپ نے جلد ہی ریاست کے اندر بلیک مارکیٹ کا قلع قمع

کر کے ارزاں قیمتوں پر غلہ فروخت کرنے میں کامیابی حاصل کرلی اور جولائی ۱۹۵۴ء کو یوم شہدا ر کے ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے اس امر کا اعلان کیا کہ وہ ملک سے قحط سالی دور کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، اور اب انشاء اللہ وہ ملک سے بے روزگاری کا جنازہ بھی نکالنے کی پوری سعی کریں گے۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں جب آپ دہلی تشریف لائے تو ایک پریس کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے اس امر کا انکشاف کیا کہ وہ ملک سے بے روزگاری کو بھی پوری طرح دور کر چکے ہیں اور اب کشمیر میں ایک معمولی مزدور تین روپے سے کم یومیہ پر دستیاب ہونا مشکل ہے، اور دوسرے پیشہ ور مزدور چار اور پانچ روپے سے کم یومیہ نہیں کماتے۔

آپ کی مساعیٔ جمیلہ سے کشمیر کا پہلا پانچسالہ منصوبہ سو فیصدی کامیاب ہو چکا ہے اور اس کے اثرات عوام الناس کو روز روشن کی طرح نظر آنے لگے ہیں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے لئے ایک زندہ مثال ہے۔ دوسرے پانچسالہ منصوبہ پر بھی عمل درآمد ہو چکا ہے اور اس کی کامیابی پر ملک کی آئندہ ترقی اور فلاح و بہبود کا بہت بڑا

انحصار ہے، اور مجھے امید ہے کہ بخشی صاحب اور ان کے دوسرے رفقاء اس مرحلہ کو بھی طے کرنے میں آسانی کے ساتھ کامیابی حاصل کر لیں گے۔

تعلیم کو عام کرنے کے لئے سکولوں اور کالجوں کی سابقہ تعداد میں ہزاروں کا اضافہ کر دیا گیا ہے، پسماندہ اقوام اور علاقوں کی دیکھ بھال کا خاص اہتمام کیا جا چکا ہے، اسی طرح حکومت کو آپ نے باقی شعبوں میں جو کامیابی حاصل ہو رہی ہے اس سے اب کشمیر حقیقی معنوں میں اس مصداق کے مانند نظر آ رہا ہے کہ ؎

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است و ہمین است و ہمین است

آپ کے اخلاق حمیدہ

بخشی صاحب کی کامیابی کا تمام تر راز ان کے خوش اخلاق اور ملنسار ہونے پر منحصر ہے، آپ اپنے ساتھیوں اور مخلص کارکنوں سے محبت کرتے ہیں، ان کی تکالیف کا ہمیشہ انھوں نے خیال رکھا۔ عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ رکھنے کے لئے انھوں نے اپنی کوٹھی کے دروازے عوام پر کھول دئے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی ان کی رہائش گاہ پر جا کر ان سے مل سکتا ہے اور اپنی شکایات پیش کر کے فوری

وادرسی حاصل کرسکتا ہے، آپ کو موسیقی سننے کا بھی بہت شوق ہے، آپ عام طور پر عوامی میلوں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں، " بزم موسیقی" جو اکثر ایسے میلوں کا ایک اہم جزو ہوتا ہے آپ ان میں کثرت سے شرکت کرکے اپنے ہاتھ سے فنکاروں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، بچوں، عورتوں اور عوام کو چائے بسکٹ اور مٹھائیاں بانٹتے ہیں، بوڑھے آدمی جو اکثر اپنی فریادیں لے کر آپ کے پاس آتے ہیں انھیں سہارا دے کر خود اپنے کمرے میں لیجاتے اور باہر لاتے ہیں، ان کو اپنے گھر پہنچانے کا انتظام اپنی طرف سے کر دیتے ہیں۔

مشاعروں سے بھی آپ کو بہت دلچسپی ہے، شعرا کی قدردانی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، مشاعروں میں آپ کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ اپریل ۱۹۵۲ء میں آپ جب آل انڈیا تعلیمی کانفرنس کی صدارت کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے تو کانفرنس کے پنڈال کے اندر پولیس نے سیکیورٹی کا بہت اہتمام کر رکھا تھا، اور غیر ضروری طور پر ایسی تدابیر اختیار کر رکھی تھیں جو بخشی صاحب کو ناگوار خاطر معلوم ہوئیں۔ کانفرنس کے ساتھ ساتھ مشاعرہ کا بھی انتظام تھا جس کی صدارت جناب خواجہ غلام محمد صاحب صادق وزیر تعلیم جموں و کشمیر فرما رہے تھے، مشاعرہ میں ایک عام ہجوم تھا اور پولیس کے انتظامات نے مشاعرہ کے اندر وہ خوبی پیدا نہ ہونے دی جو اکثر ایسی محفلوں کی جان ہوتی ہے، بخشی صاحب اس نقص کو تاڑ گئے۔

کہ یہ سب کچھ پولیس کی طرف سے حفاظتی تدابیر کے باعث ہو رہا ہے
لہٰذا آپ مشاعرے سے اٹھ کر چلے گئے، پولیس نے سمجھ لیا کہ
آپ اب جا چکے ہیں مزید کسی حفاظتی تدبیر کی ضرورت نہیں، اسلئے
وہ لاپروا ہو کر بیٹھ گئے اور مشاعرہ سننے لگے، حفاظتی تدابیر کے ختم
ہو جانے پر عوام نے مشاعرہ میں خاص دلچسپی لینی شروع کر دی جس
سے مشاعرہ کی رونق بڑھ گئی، مشاعرہ جب پورے جوبن پر تھا تو
بخشی صاحب خاموشی کے ساتھ واپس آکر اسٹیج پر پچھلی صفوں میں
بیٹھ گئے اور اس وقت تک وہیں بیٹھے رہے، جب تک کہ مشاعرہ
ختم نہ ہوا۔

غریبوں اور سفید پوش لوگوں کی مالی امداد کرتے رہتے ہیں، صاف گوئی
میں آپ خود اپنی مثال ہیں، اگر کسی کا کام نہ کر سکتے ہوں گے تو صاف جواب
دیدیتے ہیں، لیکن جس سے کوئی وعدہ کریں تو اس کا ایفا کرنا اپنا فرض
سمجھتے ہیں، اسی طرح آپ اپنے غریب دوستوں کے مکان پر یا مریضوں
کو دیکھنے ہسپتال میں بہ نفس نفیس تشریف لیجانے میں کوئی عار نہیں سمجھتے
آپ جب کبھی دہلی تشریف لاتے ہیں تو آپ سے ملنے والوں کا
ایک جم غفیر اکٹھا ہو جاتا ہے اور آپ کافی رات گذرے تک ملاقاتیں
کرتے ہیں اکتاتے نہیں۔

غرضیکہ آپ کو عوام اور خواص کا دل موہ لینے میں خاص ملکہ
حاصل ہے۔

نذرِ عقیدت

وادیٔ کشمیر کے "اے خالدِ" عالی وقار
روز افزوں ہو ترا اقبال اے پروردگار

چاند تاروں کی طرح روشن ہوں تیرے نیک نام
مہرِ عالم تاب کی مانند چمکے تیرا نام!

رہبرِ راہِ سیاست پیشوائے علم و فن
پیکرِ مہر و مروّت مخزنِ شعر و سخن

آفریں صد آفریں اے مصدرِ فیض و کرم
تجھ سے کشمیری تمدن کا ہے دنیا میں بھرم

تیرے اخلاقِ حمیدہ کا ہے چرچا چار سو
خطۂ کشمیر کا سچا نمائندہ ہے تو

ناز کر اے وادیٔ کشمیر اپنے بخت پر
حاصلِ صد رشک ہے تیرا جہاں میں تاجور

بے سہاروں کے لبوں پر صرف تیرا نام ہے
خدمتِ کشمیر کا دنیا میں چرچا عام ہے

پھر عزائم کی دکھائیں تو نے دنیا کو صفات
اور کشمیری تمدن کو نئی بخشی حیات

گاندھی و نہرو نے بھارت کو بنایا لالہ زار
کر دیا کشمیر کو تو نے جہاں میں باوقار

ہند اور کشمیر صدیوں سے چلے آتے ہیں ایک
خواہشیں دونوں کے دل میں ہیں مقدس اور نیک

اپنے بیگانوں کی ناراضی بھی گو سہتے رہے
اچھے ہمسایوں کی صورت پھر بھی ہم رہتے رہے

کوئی طاقت ہم سے یہ رشتہ تڑا سکتی نہیں
بھائی چارے اور اخوت کو چھڑا سکتی نہیں

پڑ گئی جس پر بھی تیری اک نگاہِ التفات
جاگ اٹھا اس کا مقدر مل گئی تازہ حیات

تیری ذاتِ خاص پر نازاں ہے ساری کائنات
ہاں جمالِ زار پر بھی اک نگاہِ التفات

مانگتا ہوں بس خلوصِ دل سے اب یہ ہی دعا
ہند اور کشمیر کا ہو بول بالا اے خدا

(جمالؔ بھارتی)

نذرانۂ عقیدت

میں اپنے مرحوم شوہر شاعر انقلاب جناب
عبدالقیوم صاحب کوثر قریشی کی خواہش کے مطابق
نظم "وادیٔ کشمیر" خالد کشمیر جناب بخشی غلام محمد صاحب
وزیر اعظم جموں و کشمیر کی خدمت میں بطور
نذرانۂ عقیدت پیش کرتی ہوں۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

صغرا بیگم
بیوہ کوثر قریشی

مورخہ
۲۵ جون ۵۶ء

خواجہ غلام محمد پرنٹر و پبلشر نے محبوب المطابع پریس برلن میں چھپوا کر
کوچہ رحمت اللہ خان سے شائع کیا۔

وادیٔ کشمیر

اے وادیٔ کشمیر، مری وادیٔ کشمیر
تو پیکرِ جنّت ہے کہ جنت تری تصویر

کلیوں کے یہ انبار یہ پھولوں کے خزانے
یہ زندہ جاوید بہاروں کے فسانے
جھرمٹ میں چناروں کی یہ رقصِ مہ و خورشید
پشنول[1] کی چہکار یہ جھرنوں کے ترانے

آئینۂ ڈل میں یہ ترے حسن کی تنویر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

[1] کشمیر کا ایک خوشنما پرندہ

موسم ترا پرکیف فضائیں تری دھانی
ہر گیت ترے زعفراں زاروں کی کہانی
گلمرگ و پہلگام کے گلپوش یہ منظر
یہ مستی ہی مستی ، یہ جوانی ہی جوانی
ہے اوجِ ثریا سے بھی اونچی تری تقدیر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

رعنائی تری فطرت کے مہکتے ہوئے گیسو

صبحیں تری اک ساحرِ فن کار کا جادو

ذرّے ترے شاداب تو چشمے ترے زربار

آتی ہے تری خاک سے فردوس کی خوشبو

سنگیت کی لہروں پہ ہے قائم تری تعمیر

اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

یہ رود ولر اور یہ جہلم کے کنارے

گل ریز یہ طوفان، گہر بار یہ دھارے

رشیوں کے یہ استھان یہ ولیوں کے مزارات

یہ قصر یہ ایوان یہ منادر یہ منارے

فردوس کی حوروں کے حسین خواب کی تعبیر

اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

یہ تیری زمیں لعل و جواہر کا ہے معدن

تقدیس کا، تہذیب کا، تخلیق کا مخزن

وہ تیری کی حسن تخیّل ترے افکار

تاریخ کا حاصل ہے ترا علم ترا فن

جائے ترے منزل ہیں تو مٹی تری اکسیر

اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

آراستہ ہر گل سے ترا صحن چمن ہے

ہر رخ میں تری عارض تاباں کی کرن ہے

مولد ہے تو ہر شخصیت[1] خاص وطن کا

تو روح وطن حضرت ٹیپو[2] کا وطن ہے

ہیں انور[3] و اقبال و بخاری[4] تری تنویر

اے وادی کشمیر مری وادی کشمیر

۱؎ خواجہ غلام محمد صاحب مصنف "انقلاب کشمیر" کی معلومات کے مطابق ہندوستان کی تذکرہ عظیم شخصیتیں "خاک کشمیر" کے نام سے منسوب ہیں ۲؎ شہید وطن سلطان ٹیپو ۳؎ حضرت انور شاہ صاحب محدث رح ۴؎ امیر ملت حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری۔

اُگلے تری مٹی نے وہ موتی[1] وہ جواہر[2]

تقدیرِ وطن آج بھی ہے جن سے منوّر

پیدا کیے وہ فلسفی و شاعر و فن کار

ہیں اہلِ نظر جن کے کمالات پہ ششدر

ہے مایۂ سر سیّد[3] و انشا[4] تری جاگیر

اے وادیِ کشمیر مری وادیِ کشمیر

---

[1] پنڈت موتی لال نہرو۔ [2] پنڈت جواہر لال نہرو۔ [3] سر سیّد احمد خاں بانی علیگڑھ یونیورسٹی۔ [4] حضرت انشاء اللہ خاں انشاء

اجملؔ[1] کے حکیمانہ تدبر میں تری شان
تو ہند کے پہلو میں ہے چشمۂ یونان
ہے حالیؔ[2] و چکبستؔ[3] کے افکار سے ظاہر
مضمر ہے تری خاک میں شیراز کا عرفان
اور شیکسپیر ساز ترے حشرؔ[4] کی تحریر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

۱؎ حکیم محمد اجمل خاں ۲؎ مولانا حالی ۳؎ پنڈت برج نرائن چکبست ۴؎ آغا حشر کاشمیری

مضرابِ افق اور یہ ترا سازِ گلستاں
ہوتی ہے نسیم[1] سحری جس سے غزلخواں
ہیں دین و دل تیری جوانی سے ضیا بار
سپرو[2] کی ذہانت میں ترا حسن نمایاں
اے نورِ وطن نورِ جہاں نورِ جہانگیر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

---

۱ دیا شنکر نسیم ۲ محسن اردو سر تیج بہادر سپرو

یہ رائے[1] یہ کچلو[2] ہی نہیں تیرے جگر بند

یکتائے جہاں ہیں بہ تنہ زور و ہنر مند

مظہر[3] تری قوت کے ہیں گونگا[4] و امام[5]

ہیں رستم و سہراب بڑھکر تری فرزند

صدیقہ و گاما[6] تری چلتی ہوئی شمشیر

اے وادیِ کشمیر مری وادیِ کشمیر

۱۔ ڈاکٹر ایم این رائے ۲۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو ۳۔ مولانا مظہر علی اظہر ۴۔ گونگا پہلوان ۵۔ رستم ہند امام بخش پہلوان۔ ۶۔ رستم زماں گاماں پہلوان۔

لوٹا کئے برسوں تجھے دولت کے پرستار

لیکن نہ ہوا کم ترا سرمایۂ ایثار

ہر چند حوادث کے اٹھے حشر بپا تیز

بدلی نہ کسی حال تری غیرت خود دار

فطرت تری بیٹوں کی ہو نا قابل تسخیر

اے وادی کشمیر مری وادی کشمیر

تیرے لئے ہر دشت دل آزار سے گزرے
ہر جادۂ خوں ریز و شرر بار سے گزرے
ان تیرے جواں سال شہیدوں کو سلامی
ہنستے ہوئے جو عرصۂ پیکار سے گزرے
ٹھوکر سے جگاتے ہوئے سوئی ہوئی تقدیر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

یہ دورِ جواں ہے ترے ایثار کا حاصل
ہستی ہی تری جرأتِ پیکار کا حاصل
ہر سمت یہ تنظیم و ترقی کی امنگیں
حاصل ہیں ترے جذبۂ بیدار کا حاصل
یہ تیرا اپنا عزم نئی کوشش تعمیر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

آیا ہے تری زندگیٔ نو کا زمانہ
آزادیٔ جمہور کا گائے جا ترانہ
وہ دورِ غلامی کی روایت بدل کر
ترتیب دے خود اپنی حقیقت کا فسانہ
تو آج ہی خود اپنی سیاست کی عناں گیر
اے وادیٔ کشمیر مری وادیٔ کشمیر

تو ہند کی پیشانی عظمت کا ہے جھومر
تجھ سے ہے نئے ہند کی تقدیر منور
تو ہند کے ماتھے پہ ہے وہ گوہر شب تاب
اک ایک کرن جس کی جواب مہ و اختر
اور ہند کی عظمت ہے تری خوبی تقدیر
اے وادی کشمیر مری وادی کشمیر

گزارشِ احوال

رفیق عبد القیوم متخلص جناب کوثر قریشی (میرٹھی) ہندوستان کے اُن چند مایۂ ناز قومی شعرا میں سے تھے جنھوں نے تحریکِ آزادیٔ وطن کے سلسلے میں ملک کیلئے جہاں بیش بہا قربانیاں پیش کیں وہاں انھوں نے اپنے پاکیزہ کلام سے بھی اہلِ وطن کے دلوں میں وہ جذبۂ حب الوطنی پیدا کیا جس کی بدولت آج ملک آزاد نظر آرہا ہے۔

آپ بچپن ہی سے کانگریس، احرار اور جمیعت العلماء کے قومی پلیٹ فارموں کی رونق کا باعث تھے آپ کا شمار ہندوستان کے اُن اعلیٰ پایہ کے شعرا میں ہوتا تھا جنھوں نے اردو کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں اور آپ کی سینکڑوں نظمیں جہاں آج عوام کے ورد زبان ہیں وہاں آپ کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے جنھیں اپنے اُستاد کی بلندی کلام پر بجا طور پر ناز ہے۔

آپ ۳۹ سال کی عمر میں ۱۴ اور ۱۵ / مئی ۱۹۵۶ء کی درمیانی شب کو اپنے اعزا و اقارب کے علاوہ ہزاروں مداحوں کو داغِ مفارقت دے گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

نظم "وادیٔ کشمیر" مرحوم نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر لکھی تھی جو اپنی بلند پائگی کی وجہ سے مقبولِ عام ہوئی مرحوم کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس نظم کو چھپوا کر مجاہدِ ملت فخرِ ہند، خالدِ کشمیر جناب بخشی غلام محمد صاحب وزیر اعظم جموں و کشمیر کی خدمت میں بطور "نذرانۂ عقیدت" پیش کرے لیکن افسوس ہے کہ مرحوم کو اپنی زندگی میں یہ موقع میسر نہ آسکا

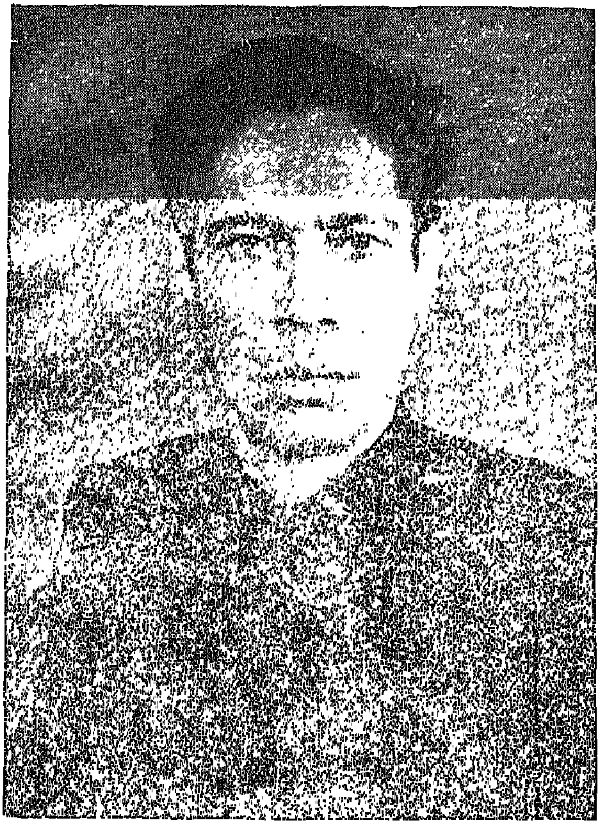
چونکہ میرے اور مرحوم کے مراسم ایسے تھے جیسے دو بھائیوں کے۔ اس لئے میں نے مرحوم کی اس خواہش کو پورا کرنے کی ذمہ داری لینا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا جس کی تکمیل میں یہ نظم بیوہ جناب کوثر قریشی کی اجازت سے شائع کر رہا ہوں اور مجھے امید واثق ہے کہ یہ نظم وادیٔ کشمیر میں ایک قومی ترانہ کی حیثیت سے اُسی درجہ مقبولیت کو پہنچے گی جس کی کہ وہ مستحق ہے

احقر

غلام محمد خواجہ

دہلی

۱۵ جولائی ۱۹۵۶ء



کوثر قریشی

۸۹۱۵۶۳۱۴

DUE DATE